مشترکہ تہذیب اور اُردو ادب

مرتبین

پروفیسر (ڈاکٹر) شہلب عنایت ملک
ڈاکٹر شہناز قادری

قاسمی کتب خانہ، تالاب کھٹیکاں جموں

MUSHTARIKA TEHZEEB OUR URDU ADAB

Compilers
Prof. Shohab Inayat Malik
Dr. Shahnaz Qadri

QASMI KUTUB KHANA
Talab Khatikan, Jamia Masjid, Jammu Tawi 180001
Ph. 9797352280 | 7889903800
E-Mail: qasmikutubkhana0729@gmail.com

₹ 595/-
ISBN: 978-93-83034-87-1

© جُملہ حقُوق ناشر محفوظ

All rights reserved. No part of this publication may be reproduced or translated or transmitted in any from or by any means, electronic or mechanical, including photocopy, recording or any information storage or retrieval system, without permission in writing from the Publisher.

MUSHTARIKA TEHZEEB OUR URDU ADAB

Dr. Shahnaz Qadri

Year of Edition 2019

ISBN: 978-93-83034-87-1

نام کتاب : مشترکہ تہذیب اور اُردو ادب

مُرتب : ڈاکٹر شہناز قادری

سن اشاعت : ۲۰۱۹ء

تعداد : ۵۰۰

کمپوزنگ : فوزیہ کمپیوٹر، جموں 9906063200

پرنٹرس : ایچ۔ایس آفسیٹ پرنٹرس، نئی دہلی

ملنے کا پتہ:

- قاسمی کتب خانہ، جموں
- ایم۔ایم۔پبلی کیشنز دہلی
- ایجوکیشن بک ہاؤس، علی گڑھ
- ایم، آر پبلی کیشنز، دہلی
- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی
- ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

Published by

QASMI KUTUB KHANA

Talab Khatikan, Jamia Masjid, Jammu Tawi 180001

Ph. 9797352280 | 7889903800

E-Mail: qasmikutubkhana0729@gmail.com

• اُردو ادب میں مشترکہ تہذیبی عناصر ایک جائزہ	ڈاکٹر عرفان عالم	70
• اقبال کی شاعری میں ہندوستانی تہذیب کے عناصر	عظمت انور دلال	185
• اُردو فکشن میں مشترکہ تہذیب کی عکاسی	سیدہ بانو	194
• مثنوی سحر البیان اور مشترکہ ہندوستانی تہذیب	ڈاکٹر کوشل کرن ٹھاکر	204
• مشترکہ ہندوستانی تہذیب تعریف، روایت اور حدود	ڈاکٹر محمد آصف ملک علیمی	216
• ہندوستانی مشترکہ تہذیب اور اُردو سفر نامہ	ڈاکٹر الطاف احمد	268
• اُردو شعر و ادب میں مشترکہ تہذیب نمائندہ شعراء کے حوالے سے	ڈاکٹر شوکت احمد	286
• پریم چند کے افسانوی فن میں مشترکہ تہذیب	ڈاکٹر فیاض احمد رونیال	302
• پریم چند کی تخلیقات میں مشترکہ ہندوستانی تہذیب	ڈاکٹر مہناز کوثر	310
• اُردو شاعری اور مشترکہ تہذیب	ڈاکٹر صائمہ منظور	321
• اُردو اور مشترکہ تہذیب آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد	ڈاکٹر عبدالقیوم ملہ	329
• "ناول آگ کا دریا" میں مشترکہ تہذیبی عناصر	رابعہ میر	333
• چکبست کی شاعری میں مشترکہ تہذیب	محمد شکور	341
• تقسیم ہند کے پس منظر میں لکھے گئے افسانوں میں مشترکہ تہذیب	محمد نذیر	353

مثنوی سحرالبیان اور مشترکہ ہندوستانی تہذیب

ڈاکٹر کوشل کرن ٹھاکر
اسسٹنٹ پروفیسر
ایم۔اے۔ایم کالج، جموں

پروفیسر مسعود حسین خان نے اردو کی پیدائش کو ایک ایسے غیر شعوری لسانی سمجھے سے تعبیر کیا ہے جو اسلامی ایرانی اور ہند آریائی زبان کی ایک نمائندہ بولی کے درمیان صدیوں کے تاریخی عمل سے ظہور میں آتا رہا ہے اور جسنے ترقی کی منزلیں طے کرتے ہوئے ہندوستان کی کثرت میں وحدت کی بنیاد ڈالی اور اپنی لسانی، عملی اور ادبی حیثیت منوائی۔

اردو زبان کے ساتھ مشترکہ ہندوستانی تہذیب کا ذکر لازم وملزوم کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیوں کہ دونوں قوموں کی صدیوں کے آپسی میل ملاپ زندگی کے طور طریقے، دین و مذہب آداب واخلاق، رہن سہن، رسم ورواج، فکر ونظر ہو جانے جن ملی جلی قدروں نے جنم لیا وہی مشترکہ ہندوستانی قدریں ہیں۔ جن پر دونوں قومیں عمل کرتی ہیں۔

ہندوستان کو یہ انفرادیت حاصل ہے کہ اس کی کثرت میں وحدت اور وحدت میں کثرت کا جلوہ نظر آتا ہے۔ رنگا رنگی میں یک رنگی اس ملک کی شان ہے۔ اس کے صوفیوں سنتوں، سادھوؤں اور پیروں، فقیروں کے نغمے گو رگیت چاہے کتنے ہی ایک دوسرے مختلف کیوں نہ ہوں لیکن ان کی لے ایک ہی ہے۔ اس ملک میں رہنے والے ہندو، مسلمانوں کی راہیں چاہے کتنی ہی الگ کیوں ہوں لیکن ان کی منزل ایک ہے۔ ان کے رسم ورواج خواہ کتنے ہی الگ کیوں نہ ہوں لیکن برسوں کے باہمی ارتباط سے نہ مسلمانوں کے دل

رواج رہے اور نہ ہندوؤں کی وہ رسمیں ۔دونوں طبقوں کے ثقافتی امتزاج سے جوایک تیسری چیز وجود میں آئی ہے وہی مشترکہ ہندوستانی تہذیب ،کہلاتی ہے۔جس میں ہندوستانیت نمایاں ہوکر اپنا روپ دکھاتی ہے مشترکہ ہندوستانی تہذیب کا یہ ہونہار نخل مغلوں کے دور میں کسی طرح اپنی جڑیں مضبوط کرتا ہے اس کا ذکر خواجہ احمد فاروقی کچھ اس طرح کیا ہے۔

''مغلوں کے زمانے میں جو نخل بندی اور پیوند کاری کے تجربات سے گذر چکے تھے تہذیبی نقوب اور زیادہ حسین ہوگئے ۔انہوں نے ترکوں کی سخت کوشی ،فراخ دلی اور خودداری میں ایرانیوں کی لطافت اور شائستگی اور مساوات اور اخلاقی ضبط کی قلم لگا کر ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کی اس طرح آبیاری کی کہ وہ ایک تناور درخت بن گئی ،اور اس کی جڑیں جمالیاتی شعور اور تصوف کی انسان دوستی تک پہنچ گیں۔اس زمانے کی عمارتیں ،تصویریں ،تصوف کی تحریکیں اور شعر وشاعری کے کارنامے سب اس امتزاج اور اتحاد پسندی کے آئینہ دار ہیں'' [1]

(''اردو ادب اور قومی یک جہتی'' خواجہ احمد فاروقی ،ص۴۲)

جہاں تک اُردو زبان کا متعلق ہے یہ خالص ہندوستانی زبان ہے۔اس کا خمیر ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی میل جول سے تیار ہوا ہے۔اس کی آبیاری میں ملک کے تمام طبقوں نے بلا لحاظ مذہب وملت ،رنگ ونسل اور فکر ونظر اپنا خون جگر صرف کیا ہے۔بلاشبہ اردو ادب نے اس ہند آریائی تہذیب وتمدن کو اپنے شعر ونغمہ میں اس طرح سمولیا ہے کہ وہ اسی کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔انسان اور اس کے ماحول کا گہرا باہمی تعلق ہے۔جس کے نتیجے میں انسان کو اپنے گرد وپیش کی ہر چیز محبوب اور مانوس نظر آتی ہے۔

امیر خسروؔ کے بعد اردو شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں ہر دور میں ایسے

نمائندہ شعراء مل جاتے ہیں جن کے اشعار ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر قلی قطب شاہ کے میاں عورت کے مختلف روپ اور اس کی طرف سے اظہار عشق، مدن موہن سجن، سودھن کا ذکر مشترکہ ہندوستانی تہذیب کی نشان دہی کرتا ہے۔

وؔلی اور سراج کے کلام میں ہندوستانی تخیل کا ذکر ہے۔ انہوں نے بعض تلمیحات ہندوستانی دیو مالا اور ہندو دھرم کی روایتوں سے لیں ہیں۔ شمالی ہند کے شعراء نے اس روایت کو نہ صرف استحکام بخشا بلکہ اردو شاعری کا ایک اہم جز و بنا دیا۔

شمالی ہند کے دو بڑے مراکز دِلّی اور لکھنؤ کے شعراء نے اس روایت کو پروان چڑھانے میں جو کردار ادا کیا ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ انہوں نے ہندوستان کو انتہائی قیمتی تحفے عطا کیے ہیں جن میں سب سے قیمتی تحفہ وہ 'تہذیب' ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ وارثت ہے۔ جس میں دونوں قوموں کے معاشرتی اجزاء گھل مل کر ایک ہوگئے ہیں۔

دلی کی تباہی و بربادی سے جنم لینے والی بے پناہ افراتفری کے نتیجے میں شعراء نے لکھنؤ کا رُخ کیا۔ وہ جہاں بھی گئے دلوں میں ہندوستانی کلچر کا احترام اور تحفظ کا جذبہ بہر حال موجود رہا۔ ان ہی مہاجروں میں سوؔدا اور میؔر جیسے بڑے شعراء بھی شامل تھے۔ میر نے ہندوستانی زندگی کے ہر پہلو کو اپنے پیش نظر رکھا ان کی ''میر نامہ'' شکار نامے اور مختلف موقعوں پر لکھی گئی مثنویاں اس معاشرت کی مکمل تصویر کشی کرتی ہیں جس معاشرت کی تعمیر میں ہندوستان کا ہر مذہبی فرقہ شریک تھا۔

اُردو مثنویوں کے کچھ قصے تو ایسے بھی ہیں جن کا دعویٰ تو یہ کیا گیا ہے کہ ان کا قصہ چین وختن کا ہے لیکن کرداروں کے معاشرتی آثار و کوائف اور مثنوی کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ قصے کی جائے وقوع ہندوستان ہی ہے۔ دراصل ان میں ہندی اور ایرانی

قصے کہانیوں کی روایتیں کچھ اس انداز سے مل گئی ہیں کہ ایک نیا قصہ بن گیا ہے۔ انہیں مثنویوں میں ایک اہم مثنوی ''سحر البیان'' بھی ہے۔ جس نے ''قصہ بے نظیر و بدر منیر'' کے نام سے بھی شہرت پائی ہے۔ میر حسن کا شاہکار قصہ طبع زاد ہے اور اس کا رنگ و آہنگ مخلوط تہذیب و معاشرت سے لیا گیا ہے۔ میر حسنؔ کی ولادت ۱۷۳۷ء میں پرانی دلی میں ہوئی۔ اس اعتبار سے دہلی ان کا پہلا وطن تھا۔ لیکن دہلی پر جب تباہی کے بادل چھائے تو بہت سے شعراء نے دہلی کی سکونت کو ترک کرنے میں ہی عافیت سمجھی جن میں میر حسن مرحوم کا خاندان بھی تھا۔ لکھنؤ میں ہی ان کے خاندان کے فروغ پایا جن میں میر انیسؔ جیسے معروف اور نامور شاعر پیدا ہوئے جنہوں نے اردو شاعری کو ہر لحاظ سے چار چاند لگائے۔ میر انیسؔ نے جس زبان میں مرثیے کہے وہ دہلی اور لکھنؤ کی مروجہ زبانوں کا خوشگوار امتزاج تھا جس کی شروعات میر حسنؔ مرحوم نے کی تھی جس کا نمایاں ثبوت اور نقش اول مثنوی ''سحر البیان'' ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ میر انیسؔ مرحوم نے دونوں دبستانوں کی اس مخلوط زبان کو مزید جلا بخشی۔ مثنوی، سحر البیان کے متعلق رشید حسن خان مولانا الطاف حسین حالیؔ کے حوالے سے کچھ یوں فرماتے ہیں:۔

> ''میر تقی میرؔ کے بعد میر حسنؔ دہلوی کی مثنوی 'سحر البیان' نے ہندوستان میں جو سچی شہرت اور مقبولیت حاصل کی ہے وہ نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد آج تک کسی مثنوی کو نصیب ہوئی ہے۔
>
> ('اردو کی تین مثنویاں تنقید و تبصرہ'' خان رشیدؔ۔ ص ۱۵)

میر حسنؔ کی یہ شاہکار مثنوی (سحر البیان) کے بارے میں صرف حالی ہی کی یہ رائے نہیں ہے بلکہ تمام مشاہیر و نقاد اس کی مداحی کرتے ہیں۔ یہ ۱۷۸۵ء میں منظر عام پر آئی تھی۔ اس کے علاوہ ان کی چند اور تصانیف بھی ہیں جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) ایک دیوان جس میں غزلوں کے علاوہ جملہ اقسام سخن موجود ہیں۔

(۲) تذکرۂ شعرائے اردو ۔ متقدمین شعراء سے اپنے دور تک تقریباً تین سو شعراء کا مختصر تذکرہ۔

(۳) گیارہ مثنویاں ۔جن میں مشہور مندرجہ ذیل ہیں۔

i۔ رموز العارفین، حضرت ابراہیم سے متعلق حکایات ۔انداز بیان تمثیلی ہے۔

ii۔ گلزارِارم ۔دلی سے لکھنؤ تک کے سفر کا حال شامل ہے۔ جو۱۱۹۲ء میں لکھی گئی ہے۔

iii۔ مثنوی خوانِ نعمت کسی دوست کو بطریق خط لکھی گئی ہے۔ جس میں آصف الدولہ کے مختلف کھانوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

ہر کلام کی اہمیت صرف زبان و بیان اور اسلوب بیان پر منحصر نہیں ہوتی بلکہ بعض کلام اس لئے بھی اہمیت رکھتے ہیں۔ کہ ان سے سماج میں مروج رسم ورواج اور تمدن و معاشرت کے آثار پتہ چلتے ہیں۔

(۴) مثنوی ''سحر البیان' میر حسنؔ کی آخری تصنیف ہے اور اسی کی وجہ سے میر حسن کو شہرت دوام حاصل ہوئی ہے۔ شیر علی افسوس نے اس کا دیباچہ لکھا ہے۔ مصحفی اور قتیل نے اس کی تاریخیں کہی ہیں۔

مثنوی کی زبان اور انداز بیان بہت دلچسپ ہے جو آج کے زمانے کی معلوم ہوتی ہے۔ میر حسنؔ کی اسی سادگی اور روز مرہ کو دیکھ کر مولوی محمد حسین آزادؔ حیرت سے پوچھتے ہیں۔

''کیا اسے سو برس آگے والوں کی باتیں سنائی دیتی تھیں کہ جو کچھ کہانیاں وہی محاورہ اور وہی گفتگو ہے جو اب ہم تم بول رہے ہیں۔'' (اردو کی تین مثنویاں تبصرہ وتنقید، خان رشید۔ ص ۱۸)

کہا جاتا ہے کہ غزل کا آرٹ غنائیہ میں مضمر ہوتا ہے۔ اور مثنوی کا بیانیہ میں ہے مگر میر حسنؔ کی مثنوی میں صوتی خصوصیات کے لحاظ سے غزل کی طرح غنائیت پیدا ہوگئی

لیکن بیانیہ میں ذرا سی بھی کمزوری پیدا نہیں ہوتی ہے۔ میر حسن کی مثنوی ''سحر البیان'' میں ہند آریائی تہذیب سے مملو ہے مثنوی کے مطالعے سے اس دور کا پورا مشترکہ کلچر سامنے آجاتا ہے۔ جس میں دنیوی مال واسباب اور ظاہری جاہ وحشمت پر انسان کے خلوص و محبت کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اس تہذیب میں یگانگت ویکجہتی آپسی بھائی چارہ اور جذباتی ہم آہنگی سے انکار کی گنجائش نہیں۔ جذباتی ہم آہنگی کا یہ عالم ہے کہ رمل کے ساتھ ساتھ نجومیوں اور پنڈتوں کے اثرات بھی غیر معمولی معلوم ہوتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:-

چشم تیرا شاہ کا دیکھ کر
ٹلا اور برچھک پہ کرکے نظر
چند ماں سابالک ترے ہوئے گا
نکلتے ہیں اب تو خوشی کے بچن
نہ ہوگر خوشی تو نہیں برہمن

مثنوی کو پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس کا مصنف رمل بھی جانتا ہے اور نجوم اور بہت بھی جانتا ہے۔ جب شہزادہ بے نظیر پیدا ہوا تو جیوتشیوں نے اس کی جنم کنڈلی تیار کی اس کا زائچہ واقعی طور پر کسی نجومی نے نہیں بنایا تھا بلکہ میر حسن نے اپنے ذہن سے تیار کیا تھا جو اصلی معلوم ہوتا تھا۔

مقرر ترے چاہئے ہو پسر
کہ دیت ہے یوں اپنی چوتھی خبر
یہ لڑکا تو ہوگا، ویسے کیا کہیں
خطرے اسے بارہویں برس میں

نہ نکلے یہ بارہ برس رشک ماہ
رہے برج میں یہ مہ چار دہ

ان اشعار سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مسلمان بادشاہ بھی پنڈتوں اور نجومیوں کا قائل تھا۔ مثنوی کا مطالعہ کرتے وقت یہ بات ابھر کر سامنے آتی ہے کہ میر حسن نے واقعات کے انتخاب اور پلاٹ کے ارتقاء میں جس بالغ النظری سے کام لیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ محاکات نگاری کا یہ عالم ہے کہ ہر معمولی سے معمولی منظر بھی آنکھوں کے سامنے سے گزرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

رشید حسن خان بحوالہ مولانا حالی فرماتے ہیں:

''غرض کے جو کچھ اس مثنوی میں بیان کیا ہے، اس کی آنکھوں کے سامنے تصریر کھینچ دی ہے اور مسلمانوں کے آخیر دور میں سلاطین وامراء کے یہاں جو جو حالتیں ایسے موقعوں پر گذرتی تھیں اور جو جو معاملات پیش آتے تھے بعینہٖ ان کا چربہ اتار دیا ہے۔

(اُردو کی تین مثنویاں، تنقید وتبصرہ'' خاں رشید، ص۲۲)

چند اشعار ملاحظہ فرمائیں جن میں شہزادہ نظیر کے تولد ہونے کا سماں بیان کیا گیا ہے۔ ڈھول ڈھماکے نقاروں کے ساتھ ناچ گانا کیا جاتا ہے جو ہمارے ہندوستانی مشترکہ کلچر کی واضح مثال ہے۔

وہ نذریں خواصوں کی خوجوں کی لے
انھیں خلعت وزر کا انعام دے
نقیبوں کو بلوا کے یہ کہہ دیا
کہ نقار خانے میں دو حکم جا

که نوبت خوشی کی بجادیں تمام
خبرسن کے یہ شاد ہوں خاص وعام
بجے شادیانے جو واں اس گھڑی
ہوئی گرد وپیش آ کے خلقت کھڑی

یہ ہندوستانی مشترکہ کلچر کی نمایاں وضاحت ہی تو ہے کہ بچے کی ولادت کے موقع پر چونہ پڑنی ہی نظر آتی ہے۔ جس کا صرف ذکر ہی موقعہ ومحل کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے۔ اسی طرح کنجنی، گھڑچڑھی، بھانڈ خوامیں وجے، بیڑن خداجانے کتنے فرقے اس زمانے میں موجود تھے۔ تمام کا ذکر بھی اپنی روایات متعلقہ کے ساتھ ہے۔ اسی طرح نوکرنیوں کے نام دائی، مغلانی، جنائی، چھوچھو، فاموں کے ساتھ ساتھ ان کے کرداروں کی بھی وضاحت ہوجاتی ہے۔

اس کے علاوہ آلاتِ موسیقی میں رباب، طلبلہ مردنگ، ستارے قرنا، جھانجھ سب کاذکراس طرح آتا ہے کہ کوئی بھی سازے موقع ومحل بجتا ہوانظر نہیں آتا۔ اتنا ہی نہیں ولادت کے موقع پر مثلاً نقادخانے میں نوبت بجنا بذات خود نقاروں پر بانات کے غلاف ''تیربی'' راگ راگنیوں میں 'نرل اور کھرج' کا ذکر ملتا ہے۔ اس دور میں ہی نہیں بلکہ آج بھی ہندوستانی کلچر میں بچے کی پیدائش کے وقت بھانڈوں کے آنے اور انعام مانگنے کارواج ہے۔ یہ.......... کنزیں، لونڈیا، مغلانیاں دائیاں وغیرہ سب کی سب ہندوستانی کلچر کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اور مقامی مشترکہ رہن سہن کی جھلک پیش کرتی ہیں ان کے لباس وپوشاک اور آداب مغلیہ محلات کی معاشرت کو پیش کرتے ہیں جہاں پر ایرانی اور ہندی رنگ مل جل کر ایک ہوگئے تھے۔

زمرد کا مونڈھا چمن میں بچھا
وہ بیٹھی عجب آن سے دل ربا

خواص ایک حقہ ہے تھی کھڑی
کہ لالے کی پتی تھی اک میں پڑی
کھڑی نیچی آنکھیں کیے باادب
اسی شرم سے پر قیامت غضب

میر حسنؔ کے سحر آفرین قلم نے ان مرقعوں کے نقوش ایسی مہارت سے نمایاں کیے ہیں کہ ان کی رنگینی اور دلکشی ہمیشہ کے لئے قائم ہو کے رہ گئی ہے۔ مثلاً موسیقی کے مزید ذکر میں آکر ایک طرف دھرپد اور کھماج کا ذکر ہے تو دوسری طرف قوالوں کی محفل میں قول وقلبانہ کا ذکر ملتا ہے۔ ڈھول منجیرا، پکھاوج کا صرف شور ہی ہیں بلکہ بجتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں اس طرح غول باندھ کر بجائے جا رہے ہیں۔ جیسا روایتی قاعدہ ہے مثلاً:

منجیرا ، پکھاوج ، گلے ڈال ڈھول
بجاتے تھے اس جا کھڑے باندھ غول
کہیں ڈھرپت اور گیت کا سور غل
کہیں قول وقلبانہ ونقش وگل

سرتال کی زیروبم، بائیں دائیں کی گمک دھمک سب کچھ ترتیب سے بجتا ہوا سنائی دیتا ہے۔ مثنوی پڑھتے ہوئے ساز کی لے اور آواز محسوس ہونے لگتی ہے۔ پاؤں کے جھنکتے ہوئے گھنگرو، رقاصاؤں کے جھومتے ہوئے سر، تھرکتے ہوئے پاؤں، کبھی نظر ملا کر مسکرانا ،کبھی منہ چڑھا کر نظریں چرانا جو ہندوستانی کتھت ناچ کا طریقہ ہے۔ سب نظروں کے سامنے پھر جاتا ہے۔

ہندوستانی مشترکہ تہذیب وتمدن کا جائزہ لینا ہو تو مثنوی سحرالبیان اس کی پوری آئینہ داری ہے۔ مثنوی میں انس وجن کے باوصف عورت کا جو کردار ہے وہ خالص ہندوستانی عورت ہے۔ سحرالبیان کی اثر آفرینی کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے کہ میر حسنؔ نے

ہندوستانی سماج میں مروج اقدار اور اس کی مزاجی کیفیات کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ مثلاً بدر منیر اور بے نظیر کی ملاقات کے وقت بدر منیر جو صرف ہندوستانی نسوانی کردار کی وضاحت کرتا ہے۔ مثلاً

وہ بیٹھی عجب اک انداز سے
بدنک و چرائے ہوئے ناز سے
منہ آنچل سے اپنا چھپائے ہوئے
لجائے ہوئے شرم کھائے ہوئے

باتوں ہی باتوں میں جب شہزادی کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک پری شہزادے کے عشق میں گرفتار ہے تو اس کا دل جل جاتا ہے۔ ہندوستانی کلچر میں کبھی بھی ایک عورت اپنی سوتن کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اشعار دیکھئے۔

مرو تم پری پر وہ تم پر مرے
بس اب تم مجھ سے بیٹھو پھرے
میں اس طرح کا دل لگائی نہیں
یہ شرکت تو بندی کو بھائی نہیں

نجم النساء کا بے نظیر کی تلاش میں جوگن کا بھیس اختیار کرنا خالص ہندوستانی تخیل ہے۔ میر حسن نے اسے مٹکے ٹھنکے یک تارے، مندرے، مرگ جھالا، سمرن سلی گیروا کھیس اوڑھنا، بھبھوت تن پر ملنا ماتھے پر سرخ قشقہ کھینچنا باپ کے پاؤں چھونا، تمام ہندوستانی مقامی کلچر کی نشاندہی کرتا ہے۔ چند اشعار

پہن سیلی اور گروا اُوڑھ کھیس
چلی بن کے صحرا کو جوگن کے بھیس

کئی سیر موتی جلا راکھ کو
بھبوت اپنے تن پر ملا سر بہ سر
وہ قشقہ کھینچا سرخ ماتھے پہ یوں
پڑے نور پر لعل کا عکس یوں

بےنظیر کے باغ میں ایرانی اور ہندوستانی پھول اور پھل ایک ساتھ بہادر کھلاتے نظر آتے ہیں ایک طرف اگر لالہ اشرفی، جعفری اور گیندہ اپنا جلوہ پیش کرتے ہیں تو دوسری طرف چنبیلی موتیا رائے بیل اور موگرا پورے ماحول کو معطر کرتے نظر آتے ہیں۔شادی بیاہ کی رسموں میں تو ہدوستانی مشترکہ تہذیب کی شاید ہی کوئی رسم ہو جو میر حسن نے پیش نہ کی ہو ۔بےنظیر کی برات کا نقشہ بالکل ہندوستانی شاہی براتوں کا سا ہے۔

وہ دُولہا کے اٹھتے ہی اک غُل پڑا
لگا دیکھنے اُٹھ کے چھوٹا بڑا
کوئی دوڑ گھوڑوں کو لانے لگا
کوئی ہاتھیوں کو بٹھانے لگا
کوئی پالکی میں چلا ہو سوار
پیادوں کی رکھ اپنے آگے قطار

دُلہن کے گھر پر برات کی پیشوائی وہ رجرا گھوڑیاں سمدھنوں کے تڑاکے، سرونج پسوانا، نبات چنوانا غرض ایک ایک رسم گن گن کر بیان کردی گئی ہے۔

وہ جلوے کا ہونا وہ شادی کی دھوم
وہ آپس میں دولہا، دلہن کی رسوم
کسی نے پسوائی سرونج آن کر
کوئی گالی ہی دے گئی جان

گئی کوئی واں گال سے کچھ لگا
گئی کوئی دلہن کو جوتی چھپا

مختصراً یہ کہ مثنوی 'سحر البیان' میں میر حسن نے یوں تو ایرانی طرز کا حصہ پیش کیا ہے لیکن شروع سے آخر تک کوئی بھی مقام یا کردار ایسا نہیں ہے جہاں اجنبیت محسوس نہ ہو۔ شہر مینوسواد ہے پربستان اور سراندیپ ہر جگہ ہندوستان طرز زندگی کی جھلک نظر آتی ہے۔ مثنوی ''سحر البیان'' مقبولیت کا راز ہی یہی ہے کہ میر حسن نے اپنے زمانے کی مخلوط تہذیب وتمدن اور معاشرت کی عکاسی نہایت خوش اسلوبی سے کی ہے۔ غرض بچے کی پیدائش سے شادی کی رسموں تک ہر جگہ ہندوستاین مشترکہ کلچر کی جھلک نظر آتی ہے۔